اسلام میں نظامِ احتساب

(۱)

ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی

ترجمہ : عبدالحمید صدیقی

اسلام کی دو بنیادی خصوصیات | نوعِ بشری آغاز سے لے کر آج تک جتنے الہامی اور غیر الہامی مذاہب سے روشناس ہوئی ہے اُن کی روشنی میں اگر مختلف ادیان کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں اسلام میں دو ایسی نمایاں خصوصیات ملتی ہیں جو اسے دوسرے مذاہب سے ممیّز اور ممتاز بناتی ہیں۔ پہلی خصوصیت دینِ حق کی ہمہ گیری اور اس کے مختلف شعبوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے۔ مثلاً اس کے وسیع اور متوازن نظام میں جہاں روح کی بالیدگی کا پُورا اہتمام موجود ہے وہاں مادی زندگی کی ضروریات اور ان کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ تزکیۂ نفس اور انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی اور معاشرتی ذمہ داریوں کا بھی پُوری طرح خیال رکھا گیا ہے اور اگر ایک طرف عبادات کو روحانی ترقی کی اساس قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف دنیاوی معاملات کی رفیع الشان عمارت بھی اخلاق کی محکم اور مستحکم بنیادوں پر تعمیر کی گئی ہے۔ فرد اور جماعت کے حقوق میں ہر لحاظ سے مطابقت اور توازن ہے اور کسی ایک کے لیے دوسرے کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

اسلامی تعلیمات کے اسی تابندہ اور درخشندہ پہلو کو ہم یُوں بیان کر سکتے ہیں کہ دینِ حق نے انسان کے لیے ایک ایسے واضح اور روشن راستے کی نشاندہی کی ہے جس پر گامزن ہو کر وہ دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام نے ایک ایسی سوسائٹی کی تشکیل کی ہے جس کے سارے افراد خوشی اور غم میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی طرف دستِ تعاون بڑھاتے ہیں اور بُرائی اور بے حیائی کے کاموں

سے روکتے ہیں

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران - ۱۰۴)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ - ۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

اسلام کا آفاقی نقطۂ نظر اسلام کی دوسری امتیازی خصوصیت اس کا وہ آفاقی نقطۂ نظر ہے جس کے مطابق وہ پوری نوعِ بشری کو ایک ایسی برادری کی حیثیت سے دیکھتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے کا دمساز، رفیق اور دلسوز فدائی ہو، جس میں انسانوں کے درمیان اونچ نیچ کی کوئی تفریق نہ ہو اور عزت وفضیلت کا معیار صرف نیکی اور پاکبازی ہو، جس میں تمام انبیاء علیہم السلام کو ایک ہی مشن کے علمبردار کی حیثیت سے دیکھا جائے اور اس وجہ سے سب کو صحیح اور برحق مان کر عزت واحترام کا مستحق سمجھا جائے۔ پھر انسانیت کا یہی وسیع تر نقطۂ نظر پوری زندگی اور اس کے سارے معاملات میں کارفرما ہے اور اسی بنا پر اسلامی معاشرے میں عدل وانصاف، نیکی اور پرہیزگاری کی بالادستی قائم ہوتی ہے۔ یہی نقطۂ نظر ایک مسلمان کے دل میں یہ احساس بھی بیدار کرتا ہے کہ حکمت اور بھلائی کی بات اُسے جہاں سے بھی ملے اُسے اپنی گمشدہ متاع سمجھ کر فوراً حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور دینِ حق کے سرمدی پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلائے۔ یہ غالباً اسلام کی اسی انسانیت دوستی کا اعجاز ہے کہ اس نے جس تہذیب وتمدن کی تشکیل کی ہے اس میں انسانیت کے سارے صالح عناصر پوری طرح شامل ہیں۔

قرآن مجید میں بےشمار آیات اخلاقی عظمت۔ اجتماعی فضائل، راستی اور عدل کی راہ اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ان انفرادی اور اجتماعی اخلاق میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک،

ضرورتمند اعزہ واقارب، یتیموں اور مسکینوں کی معاونت اور دستگیری، محتاجوں اور ناداروں کی حاجت براری، مریضوں اور کمزوروں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا برتاؤ، لوگوں کی دست درازیوں سے درگزر کرنے اور صلۂ رحمی کی عادت، مصائب کو صبر وشکر کے ساتھ برداشت کرنے، اور حق وصداقت کے کٹھن راستے پر قائم رہنے کی سچی تڑپ، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کا سچا جذبہ، رزقِ حلال کے حصول کے لیے سعی وجہد، یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے فضائل اسلامی نظامِ حیات میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔

قرآن مجید نے جہاں ایک طرف ان مثبت اخلاقی اقدار کو اپنانے کی تلقین کی ہے وہاں منکرات سے اجتناب پر بھی بڑا زور دیا ہے اور ان برائیوں کا واضح ذکر فرمایا ہے جو انسانی اخلاق کو بگاڑنے اور برباد کرنے والی ہیں۔ مثلاً فحش گفتگو، سُوءِ ظن، دروغ، خیانت، ظلم وعدوان، اکلِ حرام، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کا مال خُرد بُرد کرنا، ناپ تول میں بددیانتی کرنا، اور خرچ کے معاملے میں اسراف سے کام لینا۔ ان کھلی برائیوں کا ذکر احادیث نبوی اور آثارِ صحابہ میں بھی ملتا ہے اور حضورؐ سرورِ دوعالم اور ان کے مقدس رفقار کار کے اقوال وافعال سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان رذائل کو کس نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اسلام میں نظامِ احتساب کی اہمیت نظامِ احتساب اسلام میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خدائی فرمان کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور اس کی مدد سے انفرادی اور اجتماعی اخلاق کو عدل وانصاف اور حق وصداقت کی بنیاد پر استوار کیا جاتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے جب ہم اس نظام پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت کھل کر آجاتی ہے کہ یہ نظامِ احتساب اسلام کے مزاج کے عین مطابق ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے بالکل فطری طور پر اس کے بطن سے جنم لیا ہے، شرعی قوانین وضوابط نے اسے قوت وتوانائی بخشی ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن کی آغوش میں یہ پل کر جوان ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مسلم مفکرین جیسے ماوردی (متوفی ۴۵۰ھ)، ابن الاخوۃ (متوفی ۷۲۹ھ)، اور ابن خلدون (متوفی

نے اس محکمۂ احتساب کو دینِ حق کا ایک اہم ترین فرض اور نظامِ اسلامی کا ایک نہایت ضروری شعبہ قرار دیا ہے۔

احتساب کیا ہے؟ | لسان العرب کی تحقیق کے مطابق حُسبۃً مصدر ہے جیسے احتسابك الاجر علی اللہ اللہ سے اس کام کے اجر کی امید رکھنا۔ اسی لئے یہ بھی کہا جاتا ہے فعلتہ حسبۃً میں نے یہ کام اجر کی امید پر کیا چنانچہ عربی میں احتساب طلبِ اجر کے معنوں میں مستعمل ہے اور اس کا اسم الحسبۃ اجر کے ترادف ہے جیسے احتسب فلان علی فلان یعنی فلاں نے فلاں پر احتساب کیا یعنی اس کی کسی برائی پر ٹوکا اور منع کیا یاوردی کے قول کے کے مطابق یہ لفظ امر بالمعروف کے لئے آتا ہے جب کہ لوگوں نے نیکی اور بھلائی کی راہ ترک کردی ہو یا نہی عن المنکر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جب وہ برائی کا ارتکاب کر رہے ہوں۔

امام غزالیؒ کا ارشاد ہے کہ یہ لفظ اللہ کے حق کے لئے کسی بُرائی کو ٹوکنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ جس شخص کو ٹوکا جائے اسے بُرائی کے ارتکاب سے باز رکھا جائے۔

تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ حضور سرورِ دو عالم اور آپ کے پاکباز خلفاء اور امت کے آئمہ و صلحا عوام کو امورِ دینوی اور دنیاوی، دونوں کے بارے میں رہنمائی دیتے رہے۔ وہ انہیں نیکی اور بھلائی اختیار کرنے کی تلقین کرتے اور بُرائی سے روکتے اور یہ سلسلہ احتساب کا ایک الگ منصب وجود میں آنے سے پہلے قریب قریب دو صدیوں تک قائم رہا۔ احادیث کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور سرورِ کائنات اور آپ کے خلفاء نے تجارت کی نگرانی کے لیے بعض تجربہ کار افراد کو بطور محتسب مقرر فرمایا۔ حضورؐ نے جن حضرات کو یہ فرض سونپا اُن میں حضرت سعید بن سعید بن العاص بن امیہ مشہور ہیں جنہیں مکہ کی منڈیوں کا نگران مقرر کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کام السائب بن یزید اور عبداللہ بن عتبہ کے سپرد فرمایا اور مدینہ کی منڈیوں کی دیکھ بھال اُن کے ذمّے لگائی گئی۔

دوسری صدی ہجری کے نصف میں جب عباسی دور شروع ہوا اور سلطنت کی حدود کافی پھیل گئیں اور صنعت و تجارت کو غیر معمولی ترقی ہوئی تو احتساب کا ایک الگ محکمہ قائم کرنا

پڑا۔ اس سلسلہ میں ہمیں جو مستند معلومات حاصل ہیں ان کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس محکمہ کی باقاعدہ تشکیل خلیفہ ابو جعفر المنصور کے عہد میں اُن کے حکم سے کی گئی اور انہوں نے منڈیوں اور بازاروں کے حالات کی نگرانی کے لیے خطیب بغدادی کے قول کے مطابق یحییٰ بن ذکریا کو مقرر کیا۔ بعد میں وہ اس سے ناراض ہو گیا اور اسے قتل کروا دیا۔

ابو الفداء نے ۱۶۹ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ نافع بن عبد الرحمٰن بن ابی نعیم خلیفہ الہادی کے عہد میں بطور محتسب کام کرتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف احیاء علوم الدین میں خلیفہ مامون کے ایک "محتسب" کا واقعہ درج کیا ہے جس نے بادشاہ کے حکم کے بغیر ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض سرانجام دینا شروع کر دیا تھا۔ اُسے مامون نے اپنے دربار میں بلایا اور اس جسارت پر سرزنش کی۔ اسی دوران خلیفہ مامون کے ہاتھ سے ایک کتاب گر کر اس کے قدموں میں جا پڑی۔ اُس محتسب نے اس حرکت پر گرفت کی۔ بادشاہ نے وہ کتاب بڑے احترام سے اٹھائی اور پھر اُس شخص کو مخاطب ہو کر کہنے لگا "تم ہمیں معروف کا کیوں حکم دیتے ہو۔ یہ تو ہمارے بنیادی فرائض میں داخل ہے اور ہم وہ ہستیاں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج ۴۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔

خلیفہ کی یہ بات سُن کر محتسب نے کہا[1]: آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہ صحیح اور درست ہے تسلط اور حکومت کی حقیقت وہی ہے جس کی آپ نے نشاندہی کی ہے۔ ہم اس معاملے میں آپ کے مدد و معاون بننا چاہتے ہیں اور ہم باری تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی آپ کا احتساب کرتے ہیں۔

---

[1] فاضل مقالہ نگار نے احیاء العلوم کی جو عبارت نقل کی ہے وہ اصل متن سے قدرے مختلف ہے ہم یہاں اصل عبارت کا ترجمہ دے رہے ہیں۔ دیکھیے المحتسب فی الامر بالمعروف وشروطہٗ جلد دوم ص ۳۱۳

کیا آپ کے سامنے مالک الملک کا یہ ارشاد نہیں:

"مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔" (التوبہ - ۷۱)

کیا تمہاری نگاہ حضور سرورِ کائنات کے زرّیں قول پر نہیں پڑی:

المومن للمومن کالبُنیان	ایک مسلمان دوسرے کے لیے مثل عمارت
یشدّ بعضہٗ بعضاً	کے ہے۔ اس کا ایک حصہ دوسرے کو
	تقویت دیتا ہے[1]۔

نہیں خدائے بزرگ و برتر نے زمین میں حکومت عطا کی ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں تمہارے اور ہمارے سامنے ہیں اگر تم اُن کے مطابق عمل کروگے تو ہم تمہاری اطاعت کریں گے۔ جو شخص نہیں اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان کے مطابق ٹوکتا ہے وہ درحقیقت تمہاری اعانت کرتا ہے نہیں اس کا شکر گذار ہونا چاہیے۔

ابن خلدون کی تحقیق کے مطابق شمالی افریقہ اور اندلس میں احتساب کا شعبہ محکمہ قضا کا ایک حصہ تھا اور قاضی اپنے اختیار سے اس کام کے لیے جس شخص کو موزوں سمجھتا تعینات کر دیتا۔ یہی صورتِ حال مصر میں بھی تھی۔ بعد میں یہ دونوں شعبے الگ الگ ہو گئے۔

ماوردی وہ پہلے اسلامی مفکر ہیں جنہوں نے نظامِ احتساب پر ایک جُداگانہ شعبے کی حیثیت سے سیر حاصل بحث کی ہے اور عدلیہ اور محکمہ شکایات سے الگ ایک مستقل محکمے کی صورت میں اس کا جائزہ لیا ہے اور ان تینوں محکموں کے جو الگ الگ وظائف ہیں ان کی بڑی دیدہ وری سے نشاندہی کی ہے۔ اُن تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کم از کم پانچویں صدی ہجری میں یہ محکمہ مشرق میں قضا سے ایک الگ اور جداگانہ حیثیت رکھتا تھا۔

محمد کرد علی نے اپنے رسالہ "المقتبس" میں یہ بتایا ہے کہ یہ نظامِ احتساب دوسری صدی

[1] یہ حدیث بخاری و مسلم میں بروایت ابی موسیٰ اشعری درج ہے۔ (مترجم)

سے لے کر تیسری صدی کے نصف تک دو شعبوں میں منقسم تھا۔ دینی شعبہ اور معاشرتی شعبہ۔ جب تک مسلمان حکومتیں دین کی خدمت اپنا فرضِ منصبی سمجھتی رہیں اُس وقت تک احتساب کے یہ دونوں شعبے پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رہے لیکن جب انہوں نے اپنی دینی ذمہ داریوں کو پسِ پشت ڈال دیا تو مذہبی شعبے میں بھی اضمحلال پیدا ہوا۔ تمدنی اور معاشرتی شعبہ بہر حال تیرھویں صدی کے نصف تک کسی حد تک اپنا فرض انجام دیتا رہا۔ سلطنت عثمانیہ میں بعض مقامات پر اس محکمہ کے لیے نگراں مجالس قائم کی گئیں۔ تونس میں یہ مجلس دس ارکان پر مشتمل تھی اور اس کے فرائض میں یہ بات بھی داخل تھی کہ وہ منڈی میں خیانت کرنے والوں کا سختی سے احتساب کرے، اچھے اور ناقص مال کی چھان پھٹک کرے اور بائع اور مشتری میں اگر کسی معاملے میں نزاع پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ کرائے۔ اس مجلس کے ارکان یہ فرض بغیر کوئی معاوضہ لیے ادا کیا کرتے تھے اور انہیں نظامِ حکومت میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ وہ ملک کی پوری تجارت کے نگران خیال کیے جاتے تھے۔ گورنر خود بعض امور کو سلجھانے کے لیے اُن سے مشورہ کرتا۔ حاکم شہر اس مجلس کی کارکردگی کا پوری طرح جائزہ لیتا۔ اس مجلس صنعت و تجارت کا صدر مختلف پیشوں کی انجمنوں کی بھی صدارت کرتا تھا۔ اگر کارخانہ داروں میں کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تو وہ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کا فیصلہ آخری اور حتمی خیال کیا جاتا جس کے خلاف کسی قسم کی کوئی اپیل نہ کی جا سکتی تھی۔ پھر اس مجلس تجارت کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ جب کوئی شخص دیوالیہ ہو جائے تو اس کے مال کو ضبط کرائے، پھر اُسے فروخت کرے اور قرض خواہوں کو اُن کے حصے کے مطابق وصول شدہ رقم تقسیم کرے۔ اس کے علاوہ مختلف بستیوں اور محلوں کے چوہدری اس بات کے پابند تھے کہ وہ ہر ماہ اپنی اپنی بستی اور محلے میں پیدائش اور موت کی رپورٹ پیش کریں۔

تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں، خواہ ان کا تعلق کسی ملک سے ہو، نظامِ احتساب کو اچھی خاصی اہمیت حاصل رہی اور اس موضوع پر انہوں نے نہایت وقیع اور

گراں قدر کتابیں تصنیف کیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم تصنیف ماوردی کی الاحکام السلطانیہ ہے، امام غزالی نے بھی اپنی مشہور کتاب احیاء علوم الدین میں اس نظام پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قدیم اور جدید اہلِ علم نے اسلامی نظامِ حیات میں محکمہ احتساب کی اہمیت اور اس کی نوعیت اور فرائض پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ کتب اسلامی تمدن کے ارتقاء کی تاریخ میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دین اور اخلاق کی بنیاد پر صنعت و حرفت میں کس قدر عروج حاصل کیا اور پیدائش کے مختلف طریقوں (METHODS OF PRODUCTION) میں کون کونسی جدت طرازیاں کیں اور اُن میں کس قدر چابکدستی اور مہارت حاصل کی۔ اس کے علاوہ صنعت و تجارت میں فریب کاری کے انسداد کے لیے کیا تدابیر اختیار کیں۔ پھر اس نظامِ احتساب کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ نئے الفاظ وضع کیے گئے اور نئی نئی تراکیب تیار ہوئیں جن کی وجہ سے عربی زبان میں وسعت پیدا ہوئی۔

احتساب جیسا کہ میں نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے اپنی اصل کے اعتبار سے امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا ہی دوسرا نام ہے اور اس مقدس فرض کی انجام دہی مسلمانوں پر لازم ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات اس بات کی واضح شہادت فراہم کرتی ہیں کہ کوئی کامیاب اجتماعی زندگی اس بنیادی فرض کو ادا کیے بغیر گزاری نہیں جا سکتی۔ معاشرے کے ہر فرد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو خیر اور بھلائی کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کرے اور برائی کا پوری قوت سے راستہ روکے۔ اسی بنا پر یہ فریضہ ہر عاقل مسلمان پر جو اس کے ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ عائد ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس معاملے میں فاسق، غلام اور عورت کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اولاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ماں باپ کی، غلام اپنے آقا کی، بیوی اپنے خاوند کی، شاگرد اپنے استاد کی، رعیت اپنے حکام اور فرمانرواؤں کی اصلاح کی فکر کرے اگرچہ اس فرض کی ادائیگی

میں حالات و حفظِ مراتب کے فرق کی وجہ سے تھوڑا بہت اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کام سے کسی کو مفر نہیں۔ احتساب حکومت کے بنیادی فرائض میں داخل ہے لیکن یہ ایک نہایت ہی اہم معاشرتی ذمہ داری بھی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق حیات انسانی کے کسی ایک گوشے سے نہیں بلکہ یہ پوری زندگی کے لیے ایک راہنما اصول ہے جس کی مخلصانہ پیروی سے معاشرے میں خیر و برکت پیدا ہوتی ہے۔

دین نام ہے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا جو اُس نے انسانوں پر عائد کر رکھے ہیں۔ اللہ کے حقوق دوسرے تمام حقوق پر فائق ہیں اور انہیں کسی بڑی سے بڑی مصلحت پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی انفرادی اور اجتماعی مطالبہ دینی مطالبے پر بھاری نہیں ہو سکتا۔ دین انسان کے افکار و نظریات کی تشکیل اور احساسات و جذبات کی تربیت کرتا ہے اور اس بنا پر وہ انسان کو بے جا قسم کی خارجی جکڑبندیوں سے بے نیاز بنا دیتا ہے۔ دین کا دار و مدار احساس و ضمیر کی بیداری پر ہے اور یہ گوہر مقصود باری تعالیٰ سے گہری محبت اور اس کے احکام کی خوشدلانہ پیروی ہی سے ہاتھ آتا ہے اور یہ پیروی زندگی کے کسی ایک گوشے تک محدود نہیں بلکہ جب تک انسان پوری طرح اللہ کی منشا اور مرضی کے تابع نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ اسلام کی ذمہ داریوں سے کماحقہٗ عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا فریضہ جسے ہم "الاحتساب" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، وہ بھی باری تعالیٰ کی عبادت ہی میں شامل ہے۔ اس سے ضمیر کی بیداری وابستہ ہے کیونکہ جب تک انسان ہر وقت اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ نہیں رہتا اس وقت تک وہ اس فریضۂ احتساب کو اچھی طرح سرانجام نہیں دے سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے نظامِ احتساب کے نگراں کی جملہ ذمہ داریوں میں سے نماز کی نگرانی کی ذمہ داری کو بھی بنیادی اہمیت دی ہے کیونکہ نماز نیکی اور بھلائی کی تمام صورتوں میں سے سب سے زیادہ نمایاں اور اہم صورت ہے۔ یہ درحقیقت اسلام کا ستون اور نظامِ شریعت کا بنیادی پتھر ہے۔ یہ معاشرے میں بے حیائی اور برائی کے استیصال کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ خود باری تعالیٰ نے نماز کا ذکر

کرتے ہوئے اس پہلو کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ (العنکبوت - ۴۵) تحقیق نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

محتسب اجتماعی اخلاق کا نگران ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقوق اللہ کی بجا آوری کے لیے ترغیب و ترہیب سے کام لے۔ مثلاً یہ بات اُس کے لیے بالکل جائز ہے کہ وہ ان مقامات پر نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی انتظام کرے جہاں چالیس سے کم مسلمان آبادی موجود ہو۔ اور اس معاملے میں اگر کوتاہی سرزد ہو تو تادیب کرے[1]۔ تاکہ مسلمانوں میں جمعہ کے بارے

---

[1] فاضل مقالہ نگار نے بات کو انتہا اختصار کے ساتھ پیش فرمایا ہے کہ اس سے غلط فہمی کے پیدا ہونے کا امکان ہے اس لیے یہاں ہم ماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ کی پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں:

- اگر کسی بستی میں اتنے آدمی ہوں کہ بالاتفاق ان میں جمعہ منعقد ہو سکتا ہو مثلاً چالیس یا اس سے زائد تو محتسب اسے قائم کرنے پر لوگوں کو مجبور کرے اور کوتاہی کی صورت میں تادیب کرے۔ اگر چالیس سے کم ہوں اور ان میں جمعہ منعقد ہونے میں اختلاف ہو تو اس کی چار حالتیں ہیں پہلی حالت یہ ہے کہ محتسب اور قوم کے فقہی مسلک کے مطابق جمعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں محتسب پر واجب ہو کہ وہ انہیں اس کے انعقاد کا حکم دے اور ان سے اس کی تعمیل کروائے اور جو لوگ اس معاملے میں تساہل سے کام لیں ان سے باز پرس کرے لیکن اس ضمن میں یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھے کہ باز پرس کی نوعیت اور شدت وہ نہ ہونی چاہیے جتنی کہ بالاجماع وجوب کے تارکین کے لیے ضروری ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ محتسب اور عام آبادی دونوں کے نزدیک اتنی کم تعداد سے جمعہ منعقد نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں ایسا حکم دینے سے پرہیز کرے بلکہ اگر لوگ منعقد کرنا چاہیں تو انہیں اس سے باز رکھے۔ تیسری حالت یہ ہے کہ قوم کے نزدیک منعقد ہو سکتا ہو اور محتسب کے نزدیک نہ ہو۔ اس صورت میں اُسے تعرض نہ کرنا چاہیے۔ چوتھی حالت یہ ہے

میں ایک عام لاپرواہی نہ پیدا ہونے پائے اور اُن کی آئندہ نسلیں قلتِ تعداد کی طرح کثرتِ تعداد کی صورت میں بھی جمعہ کو ساقط نہ سمجھنے لگیں۔ پھر محتسب کا یہ حق ہے کہ وہ اس بات کی کڑی نگرانی کرے کہ مسلمان اوّل وقت فرض نمازیں ادا کرتے رہیں۔ تاخیر کی صورت میں بچوں کے نیم پختہ ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں ہونے کا اندیشہ ہے کہ نماز کے لیے موخر وقت ہی صحیح اور درست ہے اور اوّل وقت جائز اور مناسب نہیں۔ اس کے فرائض میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ مسلمانوں کی نگرانی کرے کہ وہ اپنی اپنی ذمہ داریوں میں کہیں کوتاہی نہیں کر رہے ہیں۔

محتسب کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے اندر فکر و عمل کی جو کمزوریاں پیدا ہو رہی ہوں اُن کا محاسبہ کرے کیونکہ یہ کمزوریاں جب ایک مرتبہ انسان کے دل و دماغ میں راہ پاکر اُس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہیں تو پھر انہیں دُور کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ خاص طور پر بچوں کو تو ان اخلاقی وباؤں سے بچانے کی پوری فکر کرنی چاہیے۔ محتسب کو اس کی پوری کوشش کرنی چاہیے اور عوام کے اندر فکرِ صحیح اور عملِ صالح کے فروغ کا التزام کرنا چاہیے۔

جو شخص احتساب کے بلند اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود اپنے اندر اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ جلیلہ پیدا کرے جیسے رحم، حلم، صبر۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الحسبۃ فی الاسلام میں فرمایا ہے کہ جب تک انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں اور اس کام کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتا اس وقت تک اُسے یہ ذمہ داری اپنے ہاتھ میں نہ لینی چاہیے۔ اُسے اچھی طرح اُن اسباب و علل کو جاننا چاہیے جن کی وجہ سے بداخلاقی

کہ محتسب کے نزدیک اتنے افراد سے جمعہ کا انعقاد ضروری ہو اور عوام اسے ضروری نہ سمجھتے ہوں۔ اس صورت میں باوجود امتدادِ زمانہ اور افراد کی کمی بیشی کے جمعہ کا ترک بالاستمرار لازم آتا ہے تو کیا ایسی حالت میں محتسب انعقادِ جمعہ کے لیے لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے یا نہیں۔ علمائے شافعیہ کے دو قول ہیں ایک یہ ہے اور یہی ابو سعید اصطخری کے قول کا اقتضا ہے کہ بلحاظ مصلحت انعقاد کا حکم کر سکتا ہے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں قلتِ عدد کی طرح کثرتِ عدد کی صورت میں جمعہ کو ساقط نہ سمجھنے لگیں۔

ص ۲۱۱

کمزوریاں کسی معاشرے میں پھیل رہی ہوں اور پھر ایک دمساز رفیق اور دلسوز فدائی کی حیثیت سے بڑے صبر اور حکمت و دانائی کے ساتھ انہیں دُور کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

محتسب کے فرائض میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ وہ اساتذہ کو بچوں سے ایسے ذاتی کام لینے کی ممانعت کرے جو اُن کے والدین کے لیے عار ہوں۔ پھر اُسے اس بات کی بھی نگرانی کرنی چاہیے کہ جن لوگوں کو بچوں کو سکول لے جانے اور واپس لانے کا کام سپرد کیا گیا ہے وہ پاکباز، دیانتدار اور قابل اعتماد ہوں اور بچوں کے لیے عملی اعتبار سے اخلاق کے اچھے نمونے پیش کر سکیں۔

محتسب کو اس بات کا بھی جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ اساتذہ بچوں کو لغو اور بیہودہ کلام سے اپنی زبانوں کو آلودہ کرنے سے باز رکھ رہے ہیں یا نہیں۔ اور کیا وہ اس بات کا اہتمام کر رہے ہیں کہ نوخیز نسلیں اپنے والدین کے ساتھ شائستگی سے پیش آئیں۔ اور اُن کے احکام کی اطاعت کریں۔ پھر محتسب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اساتذہ کا طلبہ کے ساتھ طرزِ عمل کا بھی جائزہ لے اور یہ دیکھے کہ وہ انہیں سخت ایذا تو نہیں دیتا۔

لونڈیوں اور غلاموں کے حقوق کی حفاظت اور پاسبانی بھی اسلامی ریاست میں محکمہ احتساب کے ذمّے ہوتی ہے۔ اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر نگاہ رکھے کہ کیا ان کے مالک اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں، کیا وہ ان کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ تو اُن پر بار نہیں ڈالتے اور کیا وہ کھانے، پینے، لباس اور دیگر ذمہ داریوں سے اُسی طرح عہدہ برا ہونے میں جس طرح کہ اسلام نے حکم دیا ہے۔

محتسب کی نازک ذمّہ داریوں میں ایک ذمّہ داری یہ بھی ہے کہ وہ تُجّار اور کاروباری حضرات کی سیرت و کردار کی کڑی نگرانی کرے خصوصاً عورتوں کے ساتھ لین دین کرنے اور عہد و پیمان کا پاس رکھنے میں تو انہیں غیر معمولی حد تک محتاط ہونا چاہیے۔ اور جب تک اُن کے بارے میں اس بات کی پُوری طرح تصدیق نہ ہو جائے کہ وہ قلب و نگاہ کے معاملے میں پاک اور قابلِ اعتماد ہیں اس وقت تک انہیں عورتوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر ان کی نیتوں

میں کھوٹ اور ان کی نگاہوں میں میل نظر آئے تو پھر انہیں اس کام سے بالجبر روک دینا چاہیے۔
اسلام نے جہاں انسان کو انسان کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی ہے وہاں
اُس نے حیوانوں کے ساتھ بھی رحم کرنے پر زور دیا ہے۔ اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ
جانوروں کی دیکھ بھال، ان کے چارے پانی کا مناسب انتظام اور اُن سے اُن کی قوت و طاقت
کے مطابق کام لینے کا التزام کیا جائے۔ امام ابن تیمیہؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک
حدیث بیان کی ہے کہ حضورؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: کسی آدمی کے لیے گھوڑا اجر کا باعث
ہے، کسی کے لیے اپنی سفید پوشی کا ذریعہ اور کسی کے لیے یہ بوجھ ہے۔ جو شخص گھوڑے کو اس
غرض کے لیے پالتا ہے کہ اُسے دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی ضرورت پیش
نہ آئے، اور وہ سواری کے معاملے میں اللہ کے حقوق کو پوری طرح ادا کرے، وہ اجر کا مستحق ہے۔
چنانچہ محتسب کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات پر پوری نگاہ رکھے کہ جب ایندھن اور بھوسہ ڈھونے
والے جانور منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں تو ذمہ دار حضرات جلد از جلد اُن کی پیٹھ سے بوجھ اُتار
لیں کیونکہ بے وجہ لدے رہنے سے انہیں خواہ مخواہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ حضور سرورِ دو
عالم نے سوائے کھانے کے لیے جانور کو حلال کرنے کے، باقی ہر نوعیت کی تعذیب سے منع فرمایا
ہے۔ الشیزری نے اپنی کتاب نہایۃ الرتبہ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ قصابوں کے لیے یہ
کسی طرح جائز نہیں کہ وہ بھیڑ بکریوں کو گھسیٹیں یا انہیں کند چھری سے ذبح کریں، کیونکہ اس سے
انہیں اذیت پہنچتی ہے۔ پھر محتسب کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ کیا جانوروں کا
معالج اُن کی بیماریوں اور طریقِ علاج سے پوری طرح واقف ہے اور وہ اپنے اندر اپنی فرض
شناسی، جذبۂ رحم اور خدا خوفی رکھتا ہے کہ بیماری کی اچھی طرح تشخیص کیے بغیر نہ تو فصد کھولتا ہے،
نہ کسی حصے کو کاٹتا ہے اور نہ چیرنے پھاڑنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے۔ ان معاملات
میں عجلت جانوروں کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے اور وہ بچارے اس ظلم کے خلاف کوئی
صدائے احتجاج بلند کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ احتساب میں اور کئی امور بھی شامل ہیں مثلاً

نے آداب الحسبتہ میں ایک ایسے محتسب کا ذکر کیا ہے جو کسی موذن کو مینار پر کھڑے ہو کر اذان دینے کی اس وقت تک اجازت نہ دیتا تھا جب تک کہ وہ آنکھوں پر پٹی نہ باندھ لے کیونکہ اُس کے نزدیک اس طرح ارد گرد کے مکانوں کی بے پردگی کا خطرہ تھا۔

محتسب کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ گوشت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والوں کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اسے کسی برتن میں حفاظت کے ساتھ رکھ کر لے جائیں اور پھر اُسے رات کے وقت ڈھانپ کر رکھیں اور ہر صبح اس برتن کو بلاناغہ صاف کریں۔ اسی ضمن میں محتسب کے لیے ضروری ہے کہ وہ قصابوں کو اس امر کی بھی تلقین کرے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت جب کھال اُتاریں تو اس میں پھونک نہ ماریں ، ایسا کرنے میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ اُن کی بدبُودار پھونک گوشت کو خراب کر دے۔

جو نظامِ احتساب انسانی صحت اور اُس کے ذوق کے بارے میں اتنا حساس ہو اُس سے یہ قطعاً بعید نہیں کہ وہ اس بات کا بھی التزام کرے کہ حجام کم از کم لوگوں کی حجامت بناتے وقت ہر اُس چیز کے کھانے سے پرہیز کریں جس سے مُنہ بدبُودار ہو جائے، جیسے لہسن، پیاز وغیرہ تاکہ اُن کے سانس لینے سے اُن کے مُنہ کی بدبُو حجامت بنوانے والوں کے لیے تکلیف کا باعث نہ بننے پائے۔ اس نظامِ احتساب کی بدولت بعض لوگوں کے اندر جذبۂ نفاست اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ وہ جسم سہلانے والوں اور مالش کرنے والوں سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ یہ کام کرنے سے پیشتر اپنے ہاتھوں کو انار کے چھلکوں کے ساتھ رگڑ کر اچھی طرح صاف کریں تاکہ ہاتھ کھردرے ہو جائیں اور ملنے سے ایک تو ہر قسم کی آلائش دُور ہو اور دوسری طرف جسم بھی لذت محسوس کرے۔

محتسب کے لیے نانبائیوں کے کام کی نگرانی بھی ضروری خیال کی جاتی تھی اور اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ یہ دیکھے کہ یہ لوگ آٹا گوندھتے وقت منہ پر کپڑا باندھ کر، اور آستینیں چڑھا کر کام کرتے ہیں اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس بات کا ہر وقت خطرہ موجود رہتا ہے۔ گفتگو کرتے وقت یا چھینک آنے پر تھوک یا رینٹ آٹے کو خراب نہ کر دے۔ پھر ان نانبائیوں کو اپنی پیشانی پر پٹی باندھنے کی

بھی ہدایت کی جاتی تھی، مبادا پسینے کے قطرے آٹے میں گر جائیں۔ اگر آٹا دن کے وقت گوندھا جائے تو ایک شخص وہاں اس غرض کے لیے موجود رہنا چاہیے کہ وہ آٹے کو مکھیوں سے بچاتا رہے۔

حلوائی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اپنے ہاتھ میں مورچھل رکھے اور اس کی مدد سے مٹھائی اور دوسری اشیائے خوردنی کو مگس کی یورش سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ گھی فروشوں کو چاہیے کہ وہ مال کو ڈبوں اور کنستروں کے اندر بند کر کے رکھیں تاکہ مکھیاں اور اسی طرح کے دوسرے کیڑے مکوڑے اسے نقصان نہ پہنچائیں اور نہ گرد و غبار اسے آلودہ کر سکے۔ اس احتیاط کے علاوہ حلوائیوں، شیر فروشوں اور گھی فروشوں کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ صاف ستھرے رہیں۔ اُجلا لباس پہنیں، چمچے، برتن، اور باٹ کو ہمیشہ دھو کر رکھیں۔ اسی طرح قصاب کا یہ فرض ہے کہ وہ جب گوشت کی فروخت سے فارغ ہو جائے تو جس لکڑی پر وہ گوشت کاٹتا ہے اس پر اچھی طرح نمک کی تہ جما دے تاکہ کتے اور اسی طرح کے دوسرے جانور یا حشرات الارض اسے چاٹنے سے پرہیز کریں۔ پھر قصابوں کو اس بات کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ گوشت کے ٹکڑوں کو دکان کے اندر لٹکائیں مبادا رہگزر لوگوں کے کپڑے ان سے چھو کر داغدار ہو جائیں۔ میں نے بہت سے مغربی ممالک کا دورہ کیا ہے اور واضح شواہد کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ تمدنِ اسلامی نے اس زمانے میں غیر معمولی کمال حاصل کیا جبکہ یورپ ظلمت کے دور میں گزر رہا تھا۔ تہذیبِ اسلامی کے جن پہلوؤں کی طرف میں نے ان صفحات میں اشارہ کیا ہے وہ اس تہذیب کے پورے خد و خال نہیں بلکہ اس کے صرف چند گوشے ہیں۔ ابھی بے شمار گوشے ہیں جن کی نقاب کشائی کی جا سکتی ہے اور اس ضمن میں اَن گنت ایسی مثالیں فراہم کی جا سکتی ہیں جنہیں پڑھ کر ہم اور مغربی قارئین حیران و ششدر رہ جائیں۔ لیکن میں اب اس بحث کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو حضرات اس سلسلہ میں مزید معلومات حاصل کرنے کے آرزومند ہیں انہیں میں شیزری کی کتاب "نہایۃ الرتبہ فی الطلب الحسبۃ" کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔

(باقی)